رشید احمد (جالندھری)

# شیخ زکریا بن محمدؒ الانصاری

آنے والے صفحات میں تصوف پر شیخ زکریا الانصاری کے ایک غیر مطبوعہ کتابچے کا اُردو ترجمہ جو ڈاکٹر مولوی خالد حسن قادری کے قلم سے ہے، پیش کیا جا رہا ہے۔ شیخ انصاری پر یہ مختصر نوٹ اسی کتابچے کا مقدمہ ہے۔ [ادارہ]

پندرھویں اور سولھویں صدی میں مصر میں مسلم سوسائٹی اسلامی تہذیب و تمدن کے دفاع میں ایک مثبت کردار ادا کرنے کے بعد روبہ زوال تھی۔ بغداد میں بہت پہلے عباسی خلافت اپنا تاریخی مقام کھو بیٹھی تھی۔ مصر میں خاندانِ غلامانہ دولہ الممالیک البحریہ کے نام سے حکمران تھا۔ خاندانِ غلاماں کا ہر امیر برسرِ اقتدار حکمران سے اقتدار چھیننے کی فکر میں رہتا تھا۔ کیوں کہ نظامِ حکومت کسی قانون یا دستور کا پابند نہیں تھا۔ وہاں ''کوئی مجلسِ شوریٰ جو نظامِ حکومت کی بنیاد فراہم کرتی ہے، نہیں تھی۔ البتہ عملی طور پر کسی حد تک شرعی ادارے قائم تھے۔ اس نظام میں مفادِ عامہ (المصلحہ) کا قاعدہ رائج تھا۔ جس کے مفہوم کا تعین سلطان، اس کے وزراء اور فوجی کمانڈر کرتے تھے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خاندانِ غلاماں کے عہد میں دین اور نصوص میں مصلحہ کے موضوع پر فقہا نے بہت کچھ لکھا۔ فقہا کی

ایک جماعت میں ہمیں انتہاپسندی بھی نظر آتی ہے۔ مثلاً ابنِ تیمیہ کے ایک شاگرد الطّوفی کا کہنا ہے کہ مصلحہ بسا اوقات قطعی نص (قرآن مجید) سے بھی متعارض نظر آتی ہے۔ چنانچہ مصلحہ نصوص کے عمومی مفہوم کو خاص یا محدود کر دیتی ہے۔ ہاں فقہا کی دوسری جماعت نے مصلحہ کے اصول کو اعتدال کے ساتھ قبول کیا اور اس کی مدد سے غیر قطعی دلائل کی مخالفت کی۔ بعض فقہاء نے جیسا کہ ہم عز بن عبدالسلام کی کتاب ''قواعد الاحکام فی مصالح الانام'' میں دیکھتے ہیں۔ نصوص قطعیہ اور صحیح قیاسات سے اس قاعدے کو ثابت کیا ہے۔''[۱]

غرضیکہ پندرھویں اور سولھویں صدی میں جب مصر میں مسلم معاشرہ سیاسی اور اجتماعی استحکام سے محروم تھا، ایسے اہلِ علم نے جنم لیا، جنھوں نے اپنے معاشرے کی اخلاقی اصلاح کے لیے کام کیا۔ چنانچہ اس عہد میں جن اہلِ علم نے اپنے طرزِ فکر اور طرزِ عمل سے اصلاح کا کام کیا، ان میں سے ایک شیخ زکریا الانصاری بھی ہیں، جو خاندانِ غلاماں کے سولھویں حکمران اشرف قائت بے[۲] کے عہد میں قاضی القضاہ تھے۔ شیخ (زکریا الانصاری) کو اسلامی علوم کی مختلف شاخوں پر دسترس حاصل تھی۔ انہیں جہاں تفسیر، حدیث، فقہ، منطق سے لگاؤ تھا۔ وہاں وہ تصوف و عرفان کا بھی ذوق رکھتے تھے۔ اُنھوں نے تفسیر میں تفسیر بیضاوی پر حواشی، منطق میں ایساغوجی کی شرح اور اصولِ فقہ میں لب الاحکام لکھی۔ تفسیر، فقہ اور منطق کے ساتھ ساتھ اُنھوں نے دسویں صدی عیسوی کے ایک عالم، متکلم اور عارف باللہ ابوالقاسم عبدالکریم بن ھوازن القشیر ی کے شہرۂ آفاق رسالہ: الرسالہ القشیر یہ پر بھی حواشی لکھے، جو آج بھی رسالہ قشیریہ کے ساتھ طبع کیے جاتے ہیں۔ جس طرح الرسالہ القشیر یہ کے مصنف اپنے عہد کے بلند پایہ عالم اور صاحبِ ذوق صوفی تھے۔ جس کا اعتراف شیخ ابنِ عربی جیسے عارف باللہ اور قشیری کے ہم عصر اور ہم مشرب، شیخ علی بن عثمان

الہجویری صاحب کشف المحجوب نے بھی کیا ہے۔[۳] اسی طرح رسالہ قشیریہ کے شارح زکریا انصاری کا شمار بھی اربابِ ذوق میں ہوتا ہے۔ دونوں (قشیری اور انصاری) کے عہد میں علمائے دُنیا کی محفلوں میں قیل وقال اور جدل وقتال کا ہنگامہ بپا رہتا تھا۔

ابو القاسم القشیری نے اپنے ''رسالہ'' کے آغاز میں بزمِ صوفیہ کی ویرانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا: ''ہر چند خیمے اب بھی ہیں--- لیکن لیلیٰ کا چہرہ کہیں نظر نہیں آتا۔ افسوس! ہمارے زمانے میں اس قبیلہ عشاق کا جو اپنے پیچھے اپنے قدموں کے نشان چھوڑ گیا ہے، کوئی فرد باقی نہیں رہا۔'' قشیری کے اس بیان کی تشریح کرتے ہوئے شیخ ابنِ عربی نے لکھا: ''قشیری کے عہد میں لیلیٰ نہ سہی، خیمے تو باقی تھے، اب تو یہ نشان بھی مٹ گئے ہیں۔'' یہاں یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قشیری نے اپنے رسالہ میں جن اربابِ صفا کے سوانح لکھے ہیں، ان میں منصور حلاج کا نام نہیں ملتا۔ شیخ ابنِ عربی نے قشیری کے اس حزم واحتیاط کو محسوس کرتے ہوئے کہا: ''جہاں اُنہوں نے اصحابِ صفا کا ذکر کیا ہے۔ وہاں اُنہوں نے حلاج کا ذکر نہیں کیا۔ کیونکہ حلاج کے مقام ومرتبہ کے بارے میں اختلافِ رائے پیدا ہو گیا تھا، اگر (رسالہ میں) حلاج کا ذکر آ جاتا تو کچھ تعجب نہیں کہ رسالہ میں مذکور اہلِ صفا کے بارے میں بھی کوئی شبہ (تہمت) جنم لیتا، جو حلاج کے بارے میں اُٹھایا گیا تھا۔''[۴] شیخ انصاری ان دونوں روحانی اساتذہ کے معتقد تھے۔ اُنہوں نے کئی سو سال بعد رسالہ قشیریہ کی مختصر شرح لکھی،[۵] جس میں اُنہوں نے قشیری کے نقطۂ نظر کو اپنایا کہ اہلِ حق کا شیوۂ شریعت اور حقیقت کی پیروی ہے، نہ تو وہ شریعت کے احکام سے تغافل برتتے ہیں اور نہ ہی اخلاص وایثار اور مجاہدہ ومحاسبہ سے اپنا رشتہ توڑتے ہیں، کیوں کہ اصحابِ صدق وصفا کی یہی راہ ہے۔ جس نے شریعت وحقیقت سے منہ موڑا، اسے منزل نہیں ملی۔

زکریا انصاری (۸۲۳ھ/ ۱۴۲۰ء) مشرقی مصر کے ایک گاؤں سنیکہ میں پیدا ہوئے،[٦] قاہرہ میں تعلیم پائی۔ وہ ایک غریب طالب علم تھے، لیکن غربت اُن کی راہ میں آڑے نہ آ سکی۔ وہ رات کے وقت بازار میں نکلتے اور تربوز کے چھلکے اکٹھے کر کے انہیں دھو کر کھاتے۔ لیکن آگے چل کر جب اُن کے علم و فضل کا شہرہ بلند ہوا تو لوگوں کی عقیدت کا مرکز بن گئے۔ ان کی خدمت میں ہر روز تین ہزار درہم کا نذرانہ پیش کیا جاتا۔ جس سے وہ نفیس کتابیں خریدتے، طالب علموں کی امداد کرتے اور خاموشی سے غریبوں کی مدد کرتے کہ ان کے بائیں ہاتھ تک کو خبر نہ ہوتی۔ بادشاہِ وقت سلطان اشرف قایت بے کے بے حد اصرار پر قاضی القضاۃ بنے، تو اُنہوں نے بادشاہ کی بعض باتوں پر تنقید کی اور اسے ظلم و ستم کے ارتکاب سے روکا، جس پر بادشاہ نے انہیں اُن کے منصب سے فارغ کر دیا۔ سرکاری ملازمت کی قید سے آزاد ہونے کے بعد زکریا انصاری دوبارہ درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کی مسند پر واپس آ گئے اور دمِ واپسیں تک اس کا ساتھ نہ چھوڑا۔

یہاں اس بات کا ذکر شاید دلچسپی سے خالی نہ ہو کہ حضرت شیخ کو اس بات کا قلق تھا کہ اُنہوں نے بادشاہ کے کہنے پر قاضی القضاۃ کا منصب کیوں قبول کیا۔ ایک دن اُنہوں نے اس قلق کا اظہار اپنے ایک شاگرد شعراوی سے کیا کہ وہ (انصاری) گم نامی کی زندگی بسر کر رہے تھے، لیکن اس عہدۂ قضا نے انہیں لوگوں کے سامنے لا کھڑا کیا۔ شعراوی نے جواب میں کہا: ''حضرت! مَیں نے اولیائے کرام سے سنا ہے کہ اس عہدے نے لوگوں میں شیخ (زکریا انصاری) کے زہد و تقویٰ کی شہرت پر پردہ ڈال دیا ہے۔'' حضرت شیخ نے جب یہ سنا تو شعراوی سے کہا: بیٹے! تم نے میرے بوجھ کو ہلکا کر دیا ہے۔''[۷] شیخ صوفیہ کرام کی روایات کے ترجمان تھے۔ چنانچہ وہ نفس کی ریشہ دوانیوں سے آگاہ رہنا اور اس

پر قابو پانے کو ''ہوا میں اُڑنے'' سے بہتر گردانتے تھے۔ نام ونمود کی ہوس اپنے اظہار کے لیے بعض اوقات ایسی صورتیں اختیار کرتی ہے کہ آدمی انہیں پہچان نہیں سکتا۔ حضرت شیخ کے ایک ہم عصر کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ خضر سے ان کی ملاقات رہتی تھی۔ اُنہوں نے ایک دفعہ خضر سے اپنی ملاقات میں شیخ انصاری کے بارے میں پوچھا تو خضر نے کہا، ہاں! شیخ انصاری ٹھیک ٹھاک آدمی ہیں، البتہ وہ ''نفیسہ'' رکھتے ہیں۔ جب شیخ انصاری، خضر کی رائے سے آگاہ ہوئے تو وہ خضر کے الفاظ: ''وہ (انصاری) نفیسہ رکھتے ہیں۔'' کا مفہوم جاننے کے لیے بے تاب رہے۔ ایک وقت کے بعد ان کے دوست کی خضر سے ملاقات ہوئی، تو اُنہوں نے خضر سے ''نفیسہ'' کا مفہوم دریافت کیا۔ خضر نے کہا کہ شیخ انصاری جب کبھی اپنا کوئی آدمی کسی وزیر یا امیر کے پاس بھجواتے ہیں، تو اس سے کہتے ہیں کہ ''وزیر سے کہنا کہ مجھے شیخ انصاری نے بھجوایا ہے۔'' شیخ انصاری کا اپنے آپ کو ''شیخ'' سے تعبیر کرنا، خضر کو پسند نہ آیا۔ جب شیخ کو پتہ چلا تو اُنہوں نے اپنے لیے ''شیخ'' کی بجائے ''خادم الفقراء'' کا لفظ استعمال کیا۔[۸] اس قسم کے واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ نام ونمود کی چالوں کا کھوج لگانے کے لیے اہلِ نظر نے کس احتیاط، دقتِ نظر اور حسنِ بیان سے کام لیا ہے۔ شیخ انصاری کے سوانح نگاروں نے لکھا ہے: خدا کے ہاں اُن کی دُعائیں قبول ہوتی تھیں۔ اس لیے بہت سے حاجت مند ان کے پاس آتے اور شیخ کی دُعاؤں سے مراد پاتے۔ شیخ انہیں سختی سے روکتے کہ کسی کو اس بات کا پتہ نہ چلے ورنہ وہ دوبارہ اسی بلا میں مبتلا ہو جائیں گے جس سے رہائی کے لیے اُنہوں نے شیخ انصاری سے مدد مانگی تھی۔

زکریا انصاری علمائے حق میں سے تھے۔ اس لیے جس حال میں رہے وقار و تمکنت سے رہے۔ اللہ کا ذکر ہمیشہ اُن کا رفیق رہا۔ بڑھاپے میں جب اُن کا سن سو سے

تجاوز کر گیا تھا، کھڑے ہو کر سنن پڑھتے اور کہتے، نفس بنیادی طور پر سست واقع ہوا ہے، مَیں نہیں چاہتا کہ وہ مجھ پر غالب آ جائے۔ چنانچہ وہ ذکرِ خفی کے ساتھ ساتھ زندگی بھر انتہائی خاموشی سے غریبوں کی خدمت کرتے رہے۔ جب بینائی جاتی رہی اور کوئی سائل آتا، اگر اُن کے پاس کوئی بیٹھا ہوتا تو کہتے کل آ جانا، اگر اکیلے ہوتے تو اسے ضرور نوازتے۔ شیخ شعراوی کا جو شیخ انصاری کی خدمت میں بیس سال رہے، کہنا ہے کہ وہ (شیخ انصاری) بہت زیادہ خیرات کرتے تھے۔ میری رائے ہے کہ آج مصر میں کوئی آدمی اس کام میں (اہلِ احتیاج کی خدمت میں) ان کا مقابلہ کر سکے۔'' [۹]

شیخ انصاری، شیخ ابنِ عربی اور شیخ ابن الفارض کو بلند پایہ صوفیا میں شمار کرتے۔ ابنِ عربی کو معرفت میں اور ابنِ فارض کو محبتِ الٰہی میں بلند پایہ شخصیت قرار دیتے۔ ایک دفعہ شیخ برہان الدین البقاعی نے ابن الفارض کے بارے میں ایک نیا فتنہ کھڑا کر دیا۔ بادشاہِ وقت نے علماء سے پوچھا تو اُنہوں نے جو مناسب جانا، لکھا، شیخ زکریا انصاری چپ رہے۔ لیکن ان کے ایک ہم عصر شیخ محمد استنبولی نے ان سے کہا: ''ابن الفارض کے بارے میں بادشاہ کے سوال کا جواب لکھیے، صوفیائے کرام کی حمایت کیجیے اور اسے (بادشاہ) بتائیے کہ جو آدمی اس قبیلہ کی زبان نہیں جانتا، اور ذوق نہیں رکھتا، اسے ان کے بارے میں کچھ کہنا جائز نہیں ہے کیوں کہ ولایت کا دائرہ عقل کی حدود سے باہر ہے۔ اس دائرہ کی بنیاد کشف پر ہے۔'' شیخ انصاری قیل و قال اور کفر و زندقہ کے فتنوں سے الگ رہتے تھے۔ عبادت اور خدمتِ خلق نے ان کی ساری توانائیوں کو جذب کر لیا تھا۔ اُنہوں نے اپنے بارے میں لکھا ہے کہ اُنہیں ایک دفعہ خواب میں حضرت عمرؓ کی زیارت نصیب ہوئی۔ تو اُنہوں نے حضرت عمرؓ سے درخواست کی: ''اپنے دل میں اس غریب کو جگہ دیجیے۔'' ''اے

زکریا! تُو تو عین وجود ہے۔'' حضرت عمرؓ نے جواب میں فرمایا۔ شیخ انصاری بیدار ہوئے، تو اس فرمودۂ عمر (انت عین الوجود) کی لذت سے سرشار تھے۔

شیخ زکریا انصاری نے ایک لمبی کامیاب روحانی اور اخلاقی زندگی بسر کرنے کے بعد ۹۲۶ھ/ ۱۵۲۰ء میں وفات پائی اور اپنی ایک پیشگوئی کے مطابق قاہرہ میں امام شافعی کی قبر کے جوار میں سونے کی جگہ مل گئی۔[۱۰] قاہرہ میں جنازہ اُٹھا تو پورا شہر اُمڈ آیا۔ جنازے میں ہزاروں عوام کی شرکت تو موجبِ حیرت نہ تھی، کیونکہ شیخ انصاری کی زندگی انہی کی فلاح و بہبود کے لیے وقف تھی۔ اعیانِ حکومت اور سربراہ بھی جنازے میں شریک ہوئے، جن سے شیخ اجتناب کرتے تھے۔ کہا گیا کہ جنازے میں اتنی بڑی تعداد میں لوگوں کی شرکت پہلے کبھی نہیں دیکھی گئی۔ ۹۲۹ھ میں دمشق کی اموی مسجد میں بھی نمازِ جنازہ پڑھی گئی۔ قاہرہ اور دمشق میں شیخ زکریا انصاری کی نمازِ جنازہ نے اربابِ غفلت کو بتا دیا کہ زندگی صحیح معنی میں وہی ہے جو حق اور خلق سے مضبوط پیمانِ وفا رکھتی ہے۔ امام رازی نے اسلام کی تشریح کرتے ہوئے کہا تھا: ''الاخلاص مع الحق والخلق مع الخلق'' خدا کے ساتھ اخلاص اور مخلوق کے ساتھ حسنِ اخلاق کا نام اسلام ہے۔

شیخ انصاری نے اپنی وفات سے قبل اور رسالہ قشیریہ کے حواشی کے بعد تصوف پر ''الفتوحات الالٰہیہ فی نفع ارواح الذوات الانسانیہ'' کے نام سے ایک کتابچہ بھی لکھا، جس میں اُنہوں نے نہایت ہی اختصار سے دس عنوانات کے تحت تصوف اور اس کی اصطلاحات کی تشریح لکھی۔

(۱) تصوف، اس کا موضوع

(۲) ارکانِ تصوف اور اللہ تک پہنچنے کی راہیں (الطرق الی اللہ)

(۳) توحید، ایمان، اسلام کی تشریح

(۴) علم لدنی، علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین

(۵) الہام، وحی، فراست

(۶) کشف، مکاشفہ، مشاہدہ اور معاینہ

(۷) شریعت، حقیقت، طریقت

(۸) سعادت اور شقاوت (بدبختی)

(۹) خواطر

(۱۰) عہد، خرقہ، ذکر

اس کتابچے کے چوتھے اور آٹھویں باب میں اُنہوں نے علم لدنی اور علم الیقین، نیز انسان کی نیک بختی اور شقاوت کی بحث میں لکھا کہ ہم نے اس موضوع پر تفصیل سے ابوالقاسم القشیری کے رسالہ کی شرح میں لکھا ہے۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ یہ کتابچہ رسالہ قشیریہ کی شرح کے بعد لکھا گیا ہے۔

شیخ انصاری کے اس کتابچے: ''الفتوحات الالٰہیہ فی نفح ارواح الذوات الانسانیہ'' پر سب سے پہلے ڈاکٹر ہرلے (A.H. Harley) نے ۱۹۲۳ء میں ایک مقالہ لکھا، جسے اُنہوں نے لندن میں رائل ایشیاٹک سوسائٹی (Royal Asiatic Society) کے ایک اجلاس (جولائی ۱۹۲۳ء) میں پڑھا، بعد میں، یہی مقالہ ایشیاٹک سوسائٹی آف بنگال (Asiatic Society of Bengal) (N.S.XX.1924) میں شائع ہوا۔ اس مقالہ کے ساتھ عربی متن بھی شائع کیا گیا۔ جو ۱۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس رسالہ میں شیخ انصاری نے نہایت ہی اختصار سے تصوف کے موضوع پر لکھا ہے۔ مثلاً تصوف پر لکھتے ہوئے کہتے

ہیں: تصوف کی ابتداء علم ہے، اور انتہا (خدائی) عطیہ، (دونوں) کے درمیان میں عمل ہے، اس کا موضوع دل اور حواس کی اصلاح ہے۔[۱۱]

مثلاً ذکر کے بارے میں لکھتے ہیں: ''غیر اللہ کو بھلا کر ماسوا اللہ کے دائرے سے اس طرح نکل جائے کہ ہمیشہ اللہ کے مراقبہ میں ڈوبا رہے، جب مراقبہ دائمی حاصل ہو جائے تو پھر مشاہدہ ہونے لگتا ہے، اس حالت میں ذکر کی حاجت نہیں رہتی۔'' اس کتابچہ میں جہاں شیخ انصاری نے قرآن مجید کی آیاتِ کریمہ اور آثار سلف سے استدلال کیا ہے، وہاں اربابِ صفا کے اقوال سے بھی اپنے موضوع کی تشریح وتفسیر کی ہے۔ ہمیں ڈاکٹر ہرلے کی اس رائے سے اتفاق ہے کہ ہر چند شیخ انصاری کا یہ کتابچہ ان کا تخلیقی کام نہیں ہے، لیکن تصوف کی اصطلاحات کی تشریح میں اُنہوں نے بے شبہ فنی مہارت اور شگفتہ اسلوب سے کام لیا ہے۔ چونکہ شیخ انصاری نے معاشرے کی اخلاقی و روحانی اصلاح کے لیے زندگی بھر کام کیا تھا اور فکری اور عملی طور پر تصوف کے حقائق کا ذاتی تجربہ رکھتے تھے۔ اس لیے یہ کہنا درست ہوگا کہ اس رسالے میں حضرت شیخ نے نہایت ہی اختصار سے اپنی علمی اور عملی زندگی کا نچوڑ پیش کر دیا ہے۔ ہماری سنجیدگی سے یہ رائے ہے کہ جو لوگ آج مادی زندگی کے ہنگاموں میں دل زندہ کی تلاش میں ہیں، انہیں اس رسالے سے منزل کا سراغ مل سکتا ہے۔

مقامِ مسرت ہے کہ اس رسالے کا اُردو ترجمہ پاکستان کے معروف صوفی دانشور اور محقق ڈاکٹر مولوی خالد حسن قادری نے کیا ہے۔ یہ عجیب حسنِ اتفاق ہے کہ ڈاکٹر قادری بھی تصوف کا ذوق رکھتے ہیں اور یہ ذوق انہیں اپنے مرحوم والد پروفیسر حامد حسن قادری سے ملا ہے۔

ہم ان کے تہِ دل سے ممنون ہیں کہ اُنھوں نے اس قیمتی عربی رسالہ اور اس کے اُردو ترجمے کی اشاعت کے لیے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ کا انتخاب کیا۔

یاد رہے کہ اس رسالہ سے چند سال پہلے ڈاکٹر موصوف کے قلم سے ''احکامِ عالمگیری'' کا اُردو ترجمہ مع فارسی متن بھی ادارہ ہی نے شائع کیا تھا۔ جسے نہ صرف پاکستان بلکہ بھارت میں بھی پسند کیا گیا، اور اس کے ہندی ترجمے کے لیے دہلی کے بعض ناشرین نے ادارۂ ثقافتِ اسلامیہ سے اجازت بھی مانگی تھی۔ اُمید ہے کہ قارئین ڈاکٹر موصوف کے اُردو ترجمہ سے لطف اندوز ہوں گے۔

## حواشی:

[۱] ابوزہرہ: ابنِ تیمیہ، قاہرہ، ۱۹۶۰ء، ص ۱۴۷۔

[۲] جرجی زیدان: تاریخ مصر الحدیث ۲/۷۰۔

[۳] کشف المحجوب سے پتہ چلتا ہے کہ جب یہ کتاب زیرِ تالیف تھی، القشیری زندہ تھے۔ البتہ کتاب کے مکمل ہونے سے پہلے قشیری وفات پا گئے۔ حضرت ہجویری نے کتاب میں ایک جگہ لکھا ہے ''مَیں نے استاد ابوالقاسم قشیری سے سنا کہ برسام بیماری کی طرح صوفی کی ابتداء ہذیاں اور انتہا سکوت ہے، ص ۲۸۔ ایک دوسری جگہ پر آپ قشیریؒ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ عہدِ حاضر کے لوگوں کے لیے قشیری کا بلند علمی مقام، اُن کی روحانی زندگی اور اُن کے گوناگوں فضائل جانی پہچانی چیزیں ہیں۔ (ص ۲۰۹) کئی مقام پر آپ نے ابوالقاسم قشیری کے ساتھ رحمۃ اللہ علیہ (ؒ) لکھا ہے۔ ص ۱۴،، ۲۰۱، ۴۰۱، ۴۳۹، ملاحظہ ہو کشف المحجوب، ژودسکی ایڈیشن، طہران)۔ ان بیانات سے پتہ چلتا ہے کہ قشیری، حضرت ہجویری کی زندگی ہی میں وفات پا گئے تھے۔ قشیری کی وفات ۱۰۷۲ء/ ۴۶۵ھ میں ہوئی۔ تقریباً یہی تاریخِ وفات ۱۰۷۱ء شیخ ہجویری کی ہے۔ نکلسن کا کہنا صحیح ہے کہ شیخ ہجویری،

قشیری کی وفات کے بعد بھی زندہ رہے۔ (کشف المحجوب، انگریزی ترجمہ، پیش لفظ)
یہ دونوں کتابیں (رسالہ قشیریہ اور کشف المحجوب) ایک ہی زمانہ میں لکھی گئیں، دونوں کو بجا طور پر اہلِ علم میں بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ خاص طور پر رسالہ قشیریہ کی، جو حضرت ہجویری کی وفات ۴۶۴ھ سے ۱۹ سال پہلے لکھی گئی تھی۔

[۴] الفتوحات المکیۃ، قاہرہ، (۱۳۲۹) ۴/۱۹۴ (ط۔ دار الکتب العربیہ)۔

[۵] کشف الظنون کے فاضل مولف کا کہنا ہے کہ شیخ زکریا انصاری نے ۸۹۳ھ میں (جب اُن کی عمر ستر (۷۰) برس کی تھی) رسالہ قشیریہ کی شرح کو مکمل کیا۔ اور امام قشیری (۶۲ برس کی عمر میں) ۴۳۸ھ کے آغاز میں اپنے رسالہ کی تالیف سے فارغ ہوئے تھے۔

[۶] خیر الدین الزرکلی: الاعلام ج ۳، ص ۸۰، نجم الدین الغزی، الکواکب السائرہ ج ۱، ص ۱۹۶، بیروت (۱۹۴۵ء) تحقیق ج، سلیمان جبور، عمر رضا کحالہ: معجم المولفین ۴/۱۸۲، دمشق (۱۹۵۷ء)۔

[۷] نجم الدین الغزی، الکواکب السائرہ، ج ۱/۲۰۰۔

[۸] ایضاً، ص ۲۰۱۔

[۹] الطبقات الکبریٰ، ج ۲/۱۲۴۔

[۱۰] الکواکب السائرہ، ۱/۲۰۶۔

[۱۱] التصوف أولہ علم واوسطہ عمل وآخرہ موھبہ وموضوعہ صلاح القلب وسائر الحواس۔